کوئی فعل عبث نہیں ہوسکتا) یوم الدین کا مالک ہے (یعنی اس کی عدالت میں ہم سب کو ایک روز حاضر ہونا اور اپنی دنیوی زندگی کا پورا حساب پیش کرنا ہے)، وغیر ذالک۔ یہ علم دنیا کی زندگی میں ہمارے طرزِ عمل کو کسی اور صورت سے معین کرے گا، اور اگر ہم اس علم سے خالی ہوں، یا اس علم میں نقص ہو تو ہمارا طرزِ عمل لازمی طور پر کوئی دوسری ہی صورت اختیار کرلے گا۔ مثلاً جو شخص نہیں جانتا کہ اس ملک کا کوئی بادشاہ ہے اس کا طرزِ عمل اس شخص سے مختلف ہوگا جو جانتا ہے کہ یہ ملک کسی بادشاہ کا ہے۔ اور جو شخص جانتا ہے کہ بادشاہ ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ بے اختیار ہے، بالفعل حکمراں نہیں ہے، اپنے محل میں پڑا سوتا رہتا ہے، اور حقیقی حکمرانی کے اختیارات کچھ دوسرے لوگوں کو حاصل ہیں یا رعایا فرداً فرداً مختار ہے، اس کا طرزِ عمل اس شخص سے مختلف ہوگا جسے معلوم ہے کہ بادشاہ بالفعل حاکم ہے اور قادرِ مطلق ہے اور کوئی اس کی حکومت میں دخیل نہیں۔ اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ کے ہاں جانب داری (FAVOURITISIM) کا دور دورہ ہے اس کا طرزِ عمل کچھ اور ہوگا، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ بے لاگ حکومت کرنے والا ہے، اور کسی کے ساتھ اس کا خصوصی تعلق نہیں ہے اس کا طرزِ عمل کچھ اور ہوگا۔ وقس علیٰ ہذا۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ باری تعالیٰ کی جو صفات ہم مانتے ہیں ان کے لئے دلیل کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس کی دلیل اتنی روشن ہے کہ آنکھ کھولتے ہی نظر آسکتی ہے بشرطیکہ بینائی ہو اور بینائی کا رشتہ مرکزِ فہم و ادراک سے ٹوٹ نہ گیا ہو۔

آپکے سامنے ایک کرسی رکھی ہے۔ اس کا بنانے والا آپ کے سامنے نہیں ہے مگر آپ محض کرسی کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کو بنانے والے میں حیات، قدرت، ارادہ، بصارت، حس، شعور، حکمت وغیرہ ضرور موجود ہوں گی ورنہ وہ اس کرسی کو نہیں بنا سکتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ صانع کی صفات کو جاننے کے لئے اس کی صنعت کو دیکھنا اور غور کرنا کافی ہے۔ اب یہ عظیم الشان کارخانہ جس کا نام کائنات ہے

آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے اور ہر آن نت نئی شان سے چل رہا ہے۔ اس کو دیکھئے اور اس میں تفکر کیجئے، آپ کا دل خود ہی گواہی دے گا کہ اس کے صانع میں فلاں اور فلاں صفات کا ہونا ضروری ہے۔ بعض صفات بالکل صریح طور پر اول نظر میں معلوم ہو جاتی ہیں، مثلاً ربوبیت، حکمت، علم، قدرت وغیرہ بعض صفات تھوڑے یا بہت تامل سے سمجھ میں آتی ہیں، مثلاً رحمانیت۔ اور بعض صفات ایسی ہیں جن کے متعلق مشاہدہ اور تفکر کے بعد بھی علم یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس علم یقین کے حصول کا ذریعہ نبی صادق کی خبر کے سوا کوئی نہیں۔ مثلاً باری تعالیٰ کا دیّان (جزا دینے والا) ہونا، کہ جب تک نبی صادق اس کی خبر نہ دے، بڑے سے بڑا صحیح الفکر آدمی بھی اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آثار کا مشاہدہ اور تفکر فی خلق السموات والارض زیادہ سے زیادہ اسے امکان دینونت تک، یا حد سے حد رجحان دینونت تک لے جا کر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ آفاق و انفس میں خدا کی کاریگری کے نشانات دیکھ کر اس حد تک تو کہہ سکے گا کہ ایسی حکمت کے ساتھ جس نے ہمیں بنایا ہے اس کا فعل عبث تو نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اس زندگی کے ختم ہونے پر وہ ہمارے کارنامۂ حیات کا حساب لے اور جزا و سزا دے، اور اغلب ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن اس اعتقاد کا جزم و یقین، اور حساب و کتاب کی کیفیت کا صحیح علم مجرّد تفکر سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے نبی کی ہدایت ناگزیر ہے۔

خطباتِ جمعہ

خطبۂ صیام

الحمد للہ، نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ واشھد ان سیدنا محمدًا عبدہ ورسولہ۔

ہر تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہی کو پہنچتی ہے۔ ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو خود اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے بچائے۔ اللہ جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور اللہ ہی جس کو ہدایت نہ دے اسے کوئی سیدھے رستے پر نہیں لگا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

برادرانِ اسلام! ہر کام جو انسان کرتا ہے، اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں۔ ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کے لئے کام کیا جاتا ہے، اور دوسری چیز وہ خاص صورتِ عمل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو لیجئے۔ کھانے سے آپ کا مقصد زندہ

رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ نوالے بناتے ہیں، منہ میں لے جاتے ہیں، دانتوں سے چباتے ہیں اور حلق کے نیچے اتارتے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ کارگر اور سب سے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہو سکتا تھا، اس لئے آپ نے اسی کو اختیار کیا۔ لیکن آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے، نہ کہ کھانے کے فعل کی صورت۔ اگر کوئی شخص لکڑی کا برادہ یا راکھ یا مٹی لے کر اس کے نوالے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں سے چبا کر حلق کے نیچے اتار لے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ اس کا دماغ خراب ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ احمق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھتا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ بس فعل خوردن کے ان چاروں ارکان کو ادا کر دینے ہی کا نام کھانا کھانا ہے۔ اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے بعد فوراً ہی حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتا ہو اور پھر شکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کئے جاتے ہیں وہ تو مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے، بلکہ میں تو الٹا روز بروز دبلا ہوتا جا رہا ہوں اور مر جانے کی نوبت آگئی ہے۔ یہ احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے، حالانکہ حماقت اس کی اپنی ہے۔ اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے بس ان کو ادا کر دینے ہی سے زندگی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اس نے سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معدے میں کیوں رکھوں؟ کیوں نہ اسے نکال پھینکا جائے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے، کھانے کے ارکان تو میں ادا کر ہی چکا ہوں۔ یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور اس کی پیروی کی اس کی سزا بھی ظاہر ہے کہ اسی کو بھگتنی چاہئے۔ اس کو جاننا چاہئے تھا کہ جب تک روٹی پیٹ میں جا کر ہضم نہ ہو، اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ جائے، اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی، مگر محض ان ظاہری ارکان سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہے کہ انہیں ادا کرنے سے بس طلسماتی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کے لئے تو اللہ نے